

سمجھ میں مسئلہ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

شجرۃ التوحید

علامہ محمد ابوالخیر شاہ اسدوی علیہ السلام

ادارہ اسلامیہ مخدوم رشید ملتان

0331-6444110

سمجھ میں مسئلہ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

شجرۃ التوحید

اس رسالہ میں تحقیق کی گئی ہے کہ قرآن حکیم میں کلمہ طیبہ کا صحیح
مفہوم کیا ہے، افہام و تفہیم اس قدر سہل ہے کہ سادہ سے
سادہ مسلمان بھی کلمہ طیبہ کے حقائق کو
اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

از قلم

علامہ محمد ابوالخیر شاہ اسدی علیہ الرحمۃ



ادارہ اسلامیہ مخدوم رشید ملتان

0331-6444110 idaraislamia.com

فہرست مضامین

1. حرفِ اوّل 1
2. کائنات کی تخلیق اور اس کے نظام میں اللہ کا تصرف 2
3. انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مشن 18
4. شرک کا نسب نامہ 20
5. قرآن مجید میں الہ کا حقیقی مفہوم 27
6. تصرفات کے ذریعے قرآن مجید میں کلمہ طیبہ کی تشریح 34
7. کلمہ طیبہ کا مفہوم اور آسان دلیل 35
8. کلمہ طیبہ کی فرضیت اور تشریح 40
9. توحید کا خلاصہ 48

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرفِ اوّل

انسان جب قلبِ سلیم کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھ لیتا ہے تو اس کے وجود سے کفر و شرک کے تمام اثرات زائل ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر کسی انسان کے عقیدے میں کچھ شرکیہ اثرات باقی رہ جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابھی تک لا الہ الا اللہ کے صحیح مفہوم کا ادراک نہیں کر سکا۔ آئندہ صفحات میں تحقیق کی گئی ہے کہ قرآن مجید میں کلمہ طیبہ کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ آپ پہلے اس کا تدبیر کے ساتھ مطالعہ کریں۔ پھر اپنے دل کے درتچے میں جھانک کر دیکھیں کہ کہیں آپ کے عقیدے میں ابھی تک شرک کے کچھ خفیف اثرات تو نہیں پائے جاتے۔

اگر آپ نے خلوص سے کام لیا تو ہمیں پوری امید ہے کہ قرآن مجید کے ان حقائق سے آپ کلمہ طیبہ کا صحیح ادراک کر سکیں گے۔

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ

کائنات کی تخلیق اور اس کے نظام میں اللہ کا تصرف

حَامِدًا وَمُصَلِّيًا۔ دنیا میں قدیم و جدید جتنے شرکیہ مذاہب پائے جاتے ہیں ان سب کا اس بات پر متفقہ اعتقاد ہے کہ کائنات کی تخلیق سے قبل اللہ ﷻ کی ہستی بالکل یکتا تھی۔ جب اس نے تمام کائنات کو پیدا کیا تو اس تخلیق میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہ تھا۔ اس لیے جب اہل حق مشرکین سے یہ سوال کرتے ہیں:-

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ ﴾

" اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ "

﴿ سورة العنكبوت: 61 ﴾

تو فوراً جواب دیتے ہیں:-

﴿ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ﴾

" تو وہ ضرور بالضرور کہہ دیں گے اللہ نے (پیدا کیا ہے)۔ " ﴿ سورة العنكبوت: 61 ﴾

حضرات گرامی ملاحظہ کیجئے کہ وہ اس جواب میں اپنی طرف سے دیانت داری اور راست گوئی کیوں استعمال کرتے ہیں؟ وہ اس لیے کہ تخلیق کائنات کے وقت اللہ

تعالیٰ کے سوا جب کوئی دوسرا موجود ہی نہ تھا تو وہ اپنے کس معبود کا نام لیتے؟ اس لیے ان کو مجبوراً یہ اقرار کرنا پڑا کہ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے اکیلے ہی پیدا کیا ہے اس تخلیق میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود شریک نہ تھا۔

جب کائنات کی تخلیق ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے غیبی تصرفات کے ساتھ تمام کائنات کے نظام کو چلانا شروع کر دیا، یہ نظام ایسے حُسنِ تدبیر کے ساتھ چل رہا تھا کہ انسان یہ نظام دیکھ کر حیران رہ گیا، موسموں کے تغیرات، لیل و نہار کی گردش، سورج، چاند کا طلوع و غروب، انسان کی موت و حیات کا تصرف وغیرہ وغیرہ۔

یہ ایسے حیران کن نظام تھے جب تک ان کے اوپر کسی محرک ہستی کا تصرف نہ مانا جائے انسان کی عقل باور نہیں کر سکتی کہ یہ حیرت افزا کارخانہ کسی غیبی طاقت کے بغیر کیسے چل رہا ہے۔ کائنات کے نظام پر جو ایک غیبی طاقت تصرف کر رہی تھی۔ اب انسان نے اس کی کھوج لگانی شروع کر دی۔

انسان کی ذہنی کاوشوں میں جس قدر استعداد موجود تھی اس کے تحت ہر گروہ نے اپنا اپنا کوئی نہ کوئی الہ اختراع کر ہی لیا، چوں کہ دنیا کے تمام مشرکین اور کفار پہلے یہ اقرار کر چکے ہیں کہ اس کائنات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس لیے انہوں نے جس قسم کے بھی اپنے معبود اختراع کئے ان میں اس عقیدہ کو ضرور ملحوظ رکھا کہ اصل اور حقیقی الہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کائنات کو اس نے اکیلے پیدا کیا ہے لیکن پیدا کرنے کے بعد کائنات کے انتظامی امور میں ہمارے ان معبودوں کو شریک کر لیا ہے۔ کسی معبود کو بارش برسانے، کسی الہ کو اولاد دینے اور کسی حضرت کو مصائب دور کرنے کے تصرف سپرد کر دیئے ہیں۔

مشرکین کہتے ہیں کہ اُن کے اس اختیار کو ہم ان کا ذاتی تصرف نہیں کہتے بلکہ اسے عطائی تصرف کے عقیدے سے موصوف کرتے ہیں وہ حقیقی الہ (اللہ ﷻ) جس نے پوری کائنات کو پیدا کیا ہے، ہم نہ اسے کسی جگہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ اس کے پاس جا کر اپنے مقاصد اور دعاؤں کو بلا واسطہ پہنچا سکتے ہیں۔ یہ ہمارے معبود جنہیں اللہ کی طرف سے عطائی تصرفات کا مقام دیا گیا ہے، ان کا وجود ہم حساً اور عقلاً محسوس بھی کر سکتے ہیں اور ان کے پاس جا کر اپنے حالات بھی سن سکتے ہیں۔ اس لیے ہم ان معبودوں کے پاس جا کر اپنی فریادیں اور درخواستیں پیش کرتے ہیں۔

بچوں کہ اللہ ﷻ کے ساتھ انہیں ایک خصوصی تقریب حاصل ہے، وہ ہمارے مصائب اور مقاصد میں کراس حقیقی الہ کی درگاہ میں پیش کر کے انہیں پورا کرا لیتے ہیں۔۔۔ گویا ہم ان مقدس ہستیوں کو اپنے اور الہ حقیقی کے درمیان ایک واسطہ اور وسیلے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

قرآن حکیم میں ہے کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تم حقیقی الہ کو چھوڑ کر ان کے آستانوں اور قبروں پر مصیبت کے وقت کیوں جاتے ہو؟
تو جواب میں کہتے ہیں:-

﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى ﴾

" ہم ان کی عبادت (پکار، دُعا، نذر و نیاز اور منتیں وغیرہ) اس لیے کرتے

﴿ سورة الزمر: 3 ﴾

ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں۔ "

اور دوسری جگہ ان کا یہ جواب مذکور ہے:-

﴿ وَيَقُولُونَ هُوَ آوَّلَٰءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ ﴾

" اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (مشکل کشا، معبودانِ باطلہ) اللہ کے پاس ہماری سفارش

کرتے ہیں (اور اپنی بات منواتے ہیں)۔ " ﴿سورۃ یونس: 18﴾

پہلے جواب میں انہیں تقرُّب اور دوسرے جواب میں انہیں توشل کا درجہ دیا گیا ہے۔ مُشرکین کا یہ عقیدہ اگرچہ ان کی سادہ لوحی کے مطابق اللہ ﷻ کے نزدیک ایک بڑا مقام رکھتا ہے، لیکن حقیقت میں اس عقیدے کے تحت اللہ تعالیٰ کی اُلُوہیت اور شریعت بالکل معطل ہو کر رہ جاتی ہے، کیوں کہ اس عقیدے سے اللہ ﷻ کی درماندگی اور کمزوری ثابت ہو جاتی ہے کہ جو اللہ کائنات کو تو اکیلا پیدا کر سکتا ہے لیکن مخلوق کی حوائج پوری کرنے کے لیے جب تک دوسروں کا توشل اور تعاون حاصل نہ کر لے اکیلا کسی کا مقصد پورا نہیں کر سکتا۔

شریعت اس عقیدے سے اس لیے معطل ہو جاتی ہے کہ عبادت کا حق جس میں اللہ ﷻ دوسرے کی شرکت گوارا نہیں کرتے، اس میں دوسرے شریک ہو جائیں گے۔ جیسے سجدہ کرنا اللہ کا حق ہے، مُشرکین جب دوسروں کو اپنا حاجت رُو بنا لیں گے تو لامحالہ پھر ان کو سجدہ بھی کریں گے۔ جب سجدہ جیسی اہم عبادت میں ان کو شریک کر لیں گے تو پھر شرعی احکام جو حرام و حلال سے تعلق رکھتے ہیں ان میں بھی یہ معبود شریک ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کہے گا یہ چیز حرام ہے، ان کے اِلٰہ کہیں گے یہ حلال ہے، ظاہر ہے کہ اس تصادم سے شریعت کے تمام احکام معطل ہو جائیں گے۔ پھر جب شریعت

کے احکام میں دوسروں کو مداخلت کرنے کا حق مل گیا تو اتنے اہلوں کی پیروی میں حقیقی
 اِلٰہ کا نظام شریعت دنیا میں کیسے نافذ ہو سکتا ہے؟

غرض یہ کہ شرک کی ترویج سے اللہ ﷻ کی اُلُوہیت اور نظام شریعت
 دُرہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی جماعت کو اس اہم
 کام کے لیے مبعوث کیا تاکہ انسانوں کے سامنے مقام اُلُوہیت اور نظام شریعت کی
 پوری پوری حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔ اس سلسلے میں انبیاء علیہم السلام پر جتنی
 کتابیں اور صحیفے نازل کئے گئے ان میں بنیادی مقصد یہی رکھا گیا کہ انسانوں کو پہلے مقام
 اُلُوہیت کی تشریح سمجھائیں، جب وہ یہ عقیدہ تسلیم کر لیں پھر انہیں اعمالِ صالحہ کی
 طرف دعوت دے کر نظام شریعت کے تحت پابند کریں۔

قرآن حکیم میں بعثتِ انبیاء علیہم السلام کے بنیادی مقصد کو اس طرح بیان
 کیا گیا ہے:-

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيَّ إِلَيْهِ أَنَّهُ
 لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾

" اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا جس کے پاس ہم
 نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کسی دوسرے کو اِلٰہ نہ مانیں پس میری ہی عبادت کیا
 کریں۔ "

﴿سورة الانبياء: 25﴾

انبیاء علیہم السلام کی جماعت کو مقام اُلُوہیت کی تشریح کے لیے اس لیے
 مبعوث کیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی اُلُوہی حاکمیت کا صحیح تصور ہر انسان کے ذہن پر اچھی

طرح خیم جائے ورنہ اس کی عقل پر ہوی (خواہش) کا معبود مسلط ہو جائے گا۔ انسان کی زندگی کی باگ ڈور جب اس کی خواہش کے ماتحت ہو جاتی ہے تو پھر اس کے اندر جو اعلیٰ قسم کی صلاحیت کے جوہر موجود ہوتے ہیں، جن سے وہ بڑے بڑے کمالات پر فائز ہو سکتا ہے، خواہش انہیں معطل کر کے شر اور فساد کے مادہ میں تبدیل کر دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کائنات میں اُن کی شر انگیزیوں اور فتنہ پروریوں سے آسماں و امان تباہ ہو جاتا ہے۔ اور انسانیت کو سکون نہ ملنے پر آسمان کے نیچے اس کا عرصہ حیات تنگ ہو جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان جب تک لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے صحیح مفہوم کو سمجھ نہ لے تا ابد ہلاکت کی وادی سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ قرآن حکیم جس کے نزول کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو رشد و ہدایت سے آراستہ کرے اس میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی تشریح کو فطری اصولوں کے تحت بڑے آسان طریقے سے سمجھایا گیا ہے۔ بشرطے کہ انسان پہلے اپنے ذہن سے ہر قسم کے خارجی اور داخلی اوہام کو خارج نہ کر دے۔

شاعر مشرق علامہ محمد اقبال اسی طرف اشارہ کرتے ہیں:-

بیاں میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہئے

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے جملے میں فہم کے اعتبار سے سب سے زیادہ مشکل لفظ إِلَه

ہے۔ مشکل اس لیے کہ اس کے ارد گرد لاکھوں جھوٹے الہوں کا ایک لشکر پھیلا ہوا ہے، ان کے باطل تصرّفات کو اتنی شہرت دی گئی ہے کہ عوام کے اذہان ان کے اثرات سے مجروح ہو چکے ہیں۔ قرآن حکیم نے اس کا ایک آسان علاج یہ تجویز کیا ہے کہ پہلے آپ لا کی تلوار سے ان تمام باطل الہوں کے تصرّفات کو پاش پاش کر دیں یعنی اللہ ﷻ کے سوا کسی دوسری مقدّس ہستی کی اُلُوہیت کا اقرار نہ کیا جائے تو پھر اِلٰہ کا سمجھنا اتنا آسان تر ہے کہ سادہ سے سادہ انسان بھی مقام اُلُوہیت کا جلدی ادراک کر لیتا ہے۔

قرآن حکیم نے لفظ اِلٰہ کی اتنی آسان تشریح کی ہے کہ جیسے کسی سے پوچھا جائے کہ دو اور دو مل کر کتنے ہوتے ہیں تو وہ فوراً جواب دے گا چار ہوتے ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ آسان تر کر کے سمجھائی گئی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر انسان اللہ تعالیٰ کی اُلُوہیت کو سمجھ کر شریعت کے مطابق اپنی صحیح زندگی گزار سکے اور اس کے نتیجے میں ابدی ہلاکت سے بچ جائے۔ اب دیکھئے کہ قرآن حکیم اِلٰہ کے مفہوم کو کیسے آسان اور حکیمانہ انداز میں کتنی سادگی کے ساتھ ہمیں سمجھا رہا ہے۔

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ دُنیا کے تمام مُشرکین سے اگر یہ پوچھا

جائے بھلا یہ تو بتلائیے کہ اس کائنات کا خالق کون ہے؟ تو وہ سب کے سب بلا تفاق جواب دیتے ہیں کہ کائنات کو پیدا کرنے والا اکیلا اللہ ہے۔

پھر انہیں یہ کہا جاتا ہے کہ جس طرح اللہ ﷻ تمام کائنات کو اکیلا پیدا

کر سکتا ہے اسی طرح وہ اس کائنات کے نظام کو بھی اکیلا چلا سکتا ہے۔ مگر اس بات پر مُشرکین تعجب میں پڑ جاتے ہیں کہ اتنی وسیع و عریض کائنات کا نظام جسے ہمارے عقائد

کے مطابق ہمارے متعدد اِلٰہ چلا رہے ہیں ایسی بھاری ذمہ داری کو اکیلا اِلٰہ کیسے چلا سکتا ہے۔ قرآن حکیم میں ان کے اس تَرَدُّد کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:-

أَجْعَلُ الْإِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴿٥﴾

"(اس رسول کی جرأت دیکھئے) کہ اتنے اِلٰہوں کی جگہ (کائنات کے تمام

اُمور کی ذمہ داری) ایک اِلٰہ کے سپرد کر رہا ہے۔ واقعی یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔"

﴿سورة ص: 5﴾

آخرت میں ان مشرکین کو اسی تَرَدُّد اور تَذَبُّب پر ملامت کی جائے گی۔

إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدًا كَفَرْتُمْ ۖ وَإِنْ يُشْرَكَ بِهِ تُؤْمِنُونَ ۗ ط

"جب تنہا اللہ کی (وحدانیت و اُلُوہیت) کو بیان کیا جاتا تھا تو تم انکار کر دیتے تھے۔

اگر اس معاملے میں دوسروں کو شریک کیا جاتا تو تم (بڑی خوشی) سے مان لیتے تھے۔

﴿سورة المؤمن: 12﴾

ان کا یہ تعجب صرف تَذَبُّب تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ تعجب انہیں ثمرہ د اور سرکشی پر آمادہ کر دیتا ہے۔

إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٣٥﴾

"جب انہیں یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا دوسرا کوئی اُلُوہیت کا مقام نہیں رکھتا

تو وہ یہ بات سُن کر رسولوں کے سامنے اکر جاتے ہیں۔"

﴿سورة الصافات: 35﴾

اب قرآن مجید کا مطالعہ کیجئے کہ مشرکین کے ان تمام شبہات کا قرآن کریم کس طرح سادہ دلائل کے ساتھ نفیس جواب دے رہا ہے۔ ان دلائل کے بعد اگر کسی کی عقل اور فطرت مسخ نہ ہو چکی ہو تو اس جواب سے توحید پر ہر قسم کے ٹھوک رفع ہو جاتے ہیں۔ ہاں جس کے ذہن میں حسد اور عصبیت کے جراثیم پرورش پارہے ہوں ان کا علاج قرآن کریم کے پاس بھی نہیں۔ اب قرآن حکیم کے دلائل سنئے!

آلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبْرَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ

"یا در کھو اللہ ہی کے لیے خاص ہے کائنات کا خالق ہونا اور اس کے نظام کا حاکم ہونا۔ وہ اللہ تمام خوبیوں کا مالک ہے جو تمام عالمین کا پروردگار ہے۔"

﴿سورة الأعراف: 54﴾

اس آیت میں صاف تصریح کر دی گئی ہے کہ جو اللہ کائنات کو پیدا کر سکتا ہے وہ پیدا کرنے کے بعد اس کے نظام کو بھی اکیلا چلا سکتا ہے، کائنات کو پیدا کرنا جو ایک بڑا اہم اور مشکل کام ہے جب وہ دوسرے الہوں کے تعاون کے بغیر اکیلا تخلیق کر سکتا ہے، تو کائنات کا نظام چلانا جو اس کی تخلیق سے زیادہ آسان تر ہے اسے وہ اکیلا کیوں نہیں چلا سکتا؟ جیسے کوئی کہے کہ فلاں انجینئر نے کمپیوٹر ایجاد کیا ہے لیکن جب تک وہ دوسروں کو شامل نہ کر لے، اکیلا کمپیوٹر کو چلا نہیں سکتا۔ کتنی احمقانہ بات ہے۔

اب قرآن مجید کی دوسری دلیل سنئے:-

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿٢٢﴾

" ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی ہے ہر چیز کا نگہبان اور کار ساز۔ "

﴿سورة الزمر: 62﴾

اس آیت میں پہلی آیت سے بھی زیادہ سہل اور آسان دلیل کے ساتھ سمجھایا گیا ہے کہ کائنات کے اندر جتنی چیزیں اور جس قدر مخلوق موجود ہے سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اب ان چیزوں میں سے اگر کسی چیز میں جب بگاڑ پیدا ہو گا تو اس بگاڑ کی بھی خالق ہی درستی کر سکتا ہے۔

مثلاً آنکھ کے سفید چڑے پر ایک سیاہ داغ لگا کر جو اللہ تعالیٰ اس میں بصارت کا نور پیدا کر سکتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس بصارت کو ختم کر دے تو دنیا میں کسی مقرب ہستی کو بھی اختیار نہیں ہے کہ اس بصارت کو دوبارہ آنکھ کے چڑے پر نمایاں کر سکے۔ اس میں وضاحت کی گئی ہے کہ جب یہ مخلوق کائنات کی ادنیٰ چیز بھی پیدا نہیں کر سکتی تو وہ اس کے بگاڑ کی درستی کیسے کر سکتی ہے۔

قرآن مجید میں ایک جگہ ڈنکے کی چوٹ کے ساتھ اعلان کیا گیا ہے کہ:-

مشرکین کے تمام معبود اگر مل کر زور لگائیں تو وہ کھٹی جیسی حقیر چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے، کھٹی کے جسد کا اگر تجزیہ کیا جائے تو وہ چند مختصر اجزاء کا مجموعہ ہے، اگر ان چیزوں کا مجموعہ ان معبودوں کے حوالے کر کے انہیں کہا جائے کہ کھٹی کے ان اجزاء کو جمع کر کے زندہ کھٹی کا ڈھانچہ تیار کر دو تو ان میں اتنی قدرت بھی نہیں کہ وہ کھٹی کے متفرق اجزاء کو جمع کر کے اس کا ڈھانچہ تیار کر سکیں۔ جب یہ تمام معبود اتنا ادنیٰ سا کام بھی نہیں کر سکتے، تو وہ کائنات کے نظام میں بڑے بڑے کاموں میں کیسے تصرف

کر سکتے ہیں۔۔۔ ایسے مضبوط دلائل کے بعد مشرکین جب جواب دینے سے عاجز ہو گئے تو پھر وہ انتہائی درجے کی بیوقوفی پر اتر آئے۔

انبیاء علیہم السلام کو کہنے لگے کہ ہم آپ لوگوں کے ان صحیح دلائل کو اس لیے نہیں مانتے کہ ہمارے باپ دادا کا بھی یہ مسلک تھا کہ شرک کی تردید میں اگرچہ کتنے ہی مضبوط دلائل سامنے آجائیں انہیں بالکل قبول نہ کیا جائے۔ اب ہم باپ دادا کے مسلک پر عمل کریں یا آپ لوگوں کے ان مضبوط دلائل کو مان لیں۔ کسی فعل کے جواز میں یہ کہہ دینا کہ یہ کام میری ماں کرتی تھی یا باپ، انتہائی درجے کا ایک خسیس جواب ہے۔ عدالت میں اگر کسی چور سے پوچھا جائے کہ تُو نے یہ چوری کیوں کی ہے؟ وہ جواب میں کہے جناب یہ چوری میں نے اس لیے کی ہے کہ میرا باپ بھی چوری کیا کرتا تھا اس لیے چوری کرنا جائز ہے، جب کوئی تیری تردید کرے تو کہنا کہ میں باپ کے مسلک کو نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ بتلائیے دنیا کے کسی ملک کی عدلیہ میں کوئی ایسی تعزیر موجود ہے جو چور کی اس ذلیل کو قبول کر کے اسے چوری کی سزا سے بری کر دے بلکہ اس کی سزا یہ ہے کہ چوری کی سزا کے علاوہ اسے پاگل خانے میں بھی داخل کیا جائے۔

آپ نے دیکھ لیا جب باپ کی تقلید چوری کے جواز کی ذلیل نہیں بن سکتی تو شرک کے جواز میں باپ دادا کی تقلید کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے؟ مشرکین کا دوسرا جواب ان کے خسیس تجربات ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم اپنے پیروں اور معبودوں کو مصائب میں پکارتے ہیں تو پھر ہمارے کام پورے کیوں ہو جاتے ہیں؟ اگر اختصار

مطلوب نہ ہوتا تو ہم زیادہ دلائل سے ان اشکال کا قلع قمع کر دیتے یہاں صرف ایک دو باتوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

کائنات کے نظام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک قانون مُدَوَّن کر کے اسے محفوظ کر لیا ہے اس کا نام ہے " تقدیر کا قانون"۔ تقدیر کا عام فہم معنی یہ ہے " اللہ تعالیٰ کی تدبیروں کے انداز کا نظام " اب تقدیر کے نظام کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے :-

ایک آدمی نے شادی کی ہے تقدیر کے قانون میں لکھ دیا گیا ہے کہ شادی کے دس سال بعد اس کا لڑکا پیدا ہو گا اور پیدا ہونے کے بعد وہ دس برس کے بعد مر جائے گا یعنی اس لڑکے کی موت و حیات کی ابتداء اور انتہا کو مخصوص وقت اور مُعَيَّن عرصے کے لیے تقدیر میں مُقَدَّر کر دیا گیا ہے۔ اس قانون میں کسی کو تصرف کرنے کا بالکل اختیار نہیں دیا گیا لیکن شادی کے بعد عورت اور مرد اولاد کے لیے بے چین ہو جاتے ہیں۔ علاج مُعالجے کے بعد وہ بالکل مایوس ہو جاتے ہیں۔ اب وہ عزاروں اور پیروں کے پاس جانا شروع کر دیتے ہیں۔ دس سال کے بعد ایک پیر کی مَنّت مانتے ہیں کہ اگر یہ پیر اپنے تصرف سے ہمیں ایک لڑکا دلا دے تو ہم سب مَنّت کے مُعاوضے میں اس قدر اشیاء بطور نذرانہ پیش کریں گے۔ اس سال جو تقدیر کے قانون میں لڑکا پیدا ہونا پہلے مقرر ہو چکا تھا اب پیدا ہو گیا۔ چوں کہ تقدیر کے آخری فعل کے ساتھ ان کی مَنّت مُطابقت کر گئی تھی اس لیے وہ عقیدہ یہ سمجھنے لگے کہ اگر ہم مَنّت نہ مانتے تو لڑکا پیدا نہ ہوتا۔ یہی بات بطور دَلیل ہندو بھی پیش کرتے ہیں۔ لڑکے کی تخلیق میں جو اللہ تعالیٰ کا تصرف کار فرما تھا اس پر مَنّت کی وجہ سے یکسر پردہ ڈال دیا گیا، بچہ پیدا ہونے کے بعد اس کے والدین نے درازی عمر کے لیے پھر مَنّتیں ماننی شروع کر دیں ، تقدیر کے تصرف سے وہ

بچہ دس سال کے بعد مر گیا اب وہ بچے کی موت کا سبب تلاش کرنے لگ گئے چوں کہ ان کے عقیدے اور ذہن پر شرک پہلے ہی مسلط ہو چکا تھا، سوچتے سوچتے آخر انہوں نے یہ سبب تلاش کر لیا، چوں کہ پیر کی مٹت میں فلاں درجے کی کوتاہی ہو گئی تھی اس لیے اس کوتاہی کی پاداش میں بزرگ نے ناراض ہو کر وہ بچہ ہم سے چھین لیا۔ تلافی یافت کے لیے وہ دوبارہ سنبھل گئے کہ آئندہ ایسی کوتاہی کا ارتکاب ہرگز نہیں کریں گے۔

بچے کی موت اور پیدائش کے وقت چوں کہ ان کے خیال میں ان کا شرکیہ عقیدہ تصرف کر رہا تھا اس لیے وہ ان دونوں فعلوں میں اللہ تعالیٰ کے تصرف کا ادراک نہ کر سکے۔

جیسے قدرت کے فطری نظام میں یہ قانون مقرر کر دیا گیا ہے کہ منگل کے بعد بدھ کا دن طلوع ہو گا۔ اگر کوئی مجہول منگل کی رات کو کسی پیر کو پکارے کہ یا پیر صبح کو بدھ کا دن بنا دے پھر بدھ کے دن شور مچانے لگے دیکھئے رات کو میں نے فلاں حضرت صاحب کو پکارا تھا کہ صبح کو بدھ بنا دے، دیکھئے ہمارے حضرت کے تصرف سے آج کیسے بدھ بن گیا ہے، کیا سب لوگ بدھ کے دن اسے بدھونہ کہیں گے؟

جس طرح منگل کے بعد بدھ کا طلوع ہونا قدرت کی طرف سے پہلے مقرر کر دیا گیا تھا، اسی طرح اولاد کا پیدا ہونا یا مرنے کا بھی پہلے مقدر کر دیا گیا ہے جیسے بدھو خان کی دُعا منگل کے بعد بدھ کا ظہور نہیں کر سکتی، اسی طرح کسی کی مٹت یا پیر کا تصرف اولاد کی موت و حیات میں مداخلت نہیں کر سکتا۔

ایک دوسری مثال بھی سمجھ لیجئے تاکہ شرک کے نظریات کا اچھی طرح قلع قمع

ہو جائے:-

کو لمبس جو ایک مشہور سیاح تھا جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے سب سے پہلے امریکہ کو دریافت کیا تھا، اس کے حالات میں لکھا ہے کہ اسے ملکوں کی دریافت کے لیے سیاحت کا بڑا شوق تھا۔ اس دور میں بادبانی کشتیوں کے ذریعے سفر کیا جاتا تھا۔ سمندر میں جب طوفان آتا تو ایسی کشتیاں الٹ کر ہلاک ہو جاتیں۔ اس خطرے کے تحت کو لمبس کے ساتھ کوئی بھی سفر کرنے کو جلدی تیار نہ ہوتا تھا۔ اس نے ایک دفعہ ایک طویل سفر کا پروگرام بنایا۔ وہ ایک جزیرے کے ملاحوں کو اس سفر کے لیے بڑے بڑے معاوضے دے کر ترغیب دینے لگا لیکن وہ ملاح اس طویل سفر کے لیے بالکل تیار نہ ہوئے۔ اتفاق سے اس رات کو چاند گرہن ہونا تھا۔ جزیرے کے لوگ بالکل جاہل تھے۔ کو لمبس کو چاند گرہن اور سورج گرہن کے اوقات معلوم تھے۔ اس نے ملاحوں کو کہا کہ اگر تم میرے ساتھ تیار نہ ہوئے تو میں آج رات چاند کو حکم دوں گا کہ وہ تم پر گر کر تمہیں تباہ کر دے گا۔ انہوں نے پہلے تو اسے مذاق سمجھا لیکن رات کو جب چاند کا گرہن شروع ہو گیا تو وہ لوگ ڈر گئے، معافی مانگ کر کو لمبس کے ساتھ تیار ہو گئے۔

چاند گرہن کا عمل پہلے بھی ہوا کرتا تھا لیکن کو لمبس نے جب اس گرہن کا وقت انہیں پہلے بتا دیا تو وہ عقیدۃً یہ سمجھنے لگے کہ آج رات جو چاند پر گرہن کا ظہور ہوا ہے وہ اصل میں اسی کو لمبس کا تصرف ہے، اس کے بعد وہ لوگ تیار بھی ہو گئے اور ساتھ ہی کو لمبس کو ایک بڑا صاحبِ تصرف بزرگ و اوتار بھی ماننے لگ گئے۔ اس مثال پر کچھ حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں بلکہ عقل کے درتے میں جھانک

کر دیکھئے کہ اُلجھن کے کانٹے کچھ نکل گئے ہیں یا ابھی تک کچھ خراش کر رہے ہیں۔ اگر آپ کہیں کہ ایسی مثالیں تو ہر ایک اختراع کر سکتا ہے تو آئیے ہم قرآن مجید کے حقائق کو بطور مثال کے آپ کی خدمت میں حاضر کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد بھی آپ کے ذہن میں شرک کے کانٹے اگر خراش کرتے رہیں تو آپ کی اس مکروہ عقیدت کو کون بُرا کہہ سکتا ہے؟

قرآن حکیم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ہُو د علیہ السلام کو عاد کی قوم سے انتخاب کر کے انہیں ایک عظیم رسول بنایا۔ جب انہوں نے اپنی قوم کے سامنے توحید کی تبلیغ شروع کی تو وہ بڑے حیران ہوئے کہ یہ ایسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے جنہیں نہ عقل قبول کرتی ہے اور نہ یہ باتیں ہم نے اپنے باپ دادا سے کبھی سنی تھیں۔ وہ سوچنے لگے، سیدنا ہُو د علیہ السلام پہلے ایک اچھے آدمی اور بڑے عقل مند معلوم ہوتے تھے خُدا معلوم کہ نیک لخت انہیں کیا ہو گیا ہے کہ محبوط باتیں کرنے لگ گئے ہیں۔ آخر سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کا بار بار یہ کہنا کہ تمہارے پیر اور اوتار نہ مصائب دُور کر سکتے ہیں نہ کسی کو نفع اور ضرر پہنچا سکتے ہیں یقیناً اس کی یہ بات ہمارے پیروں اور اوتاروں کی توہین کے مترادف ہے۔ جو شخص ان کی ایسی توہین کرے گا لازماً ہمارے معبود ناراض ہو کر اسے کسی نہ کسی عذاب میں ضرور گرفتار کر دیں گے۔ اس خُدا شے کے تحت عاد کی قوم نے سیدنا ہُو د علیہ السلام کو اس طرح جواب دیا۔

إِنْ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرِكَ بَعْضُ إِلَهَتِنَا بِسُوءٍ ط قَالَ إِنْ شَهِدَ اللَّهُ وَ
 أَشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾

" اے ہود ہمارا خیال تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے آپ کو کسی
 خرابی میں مبتلا کر دیا ہے، ہود نے فرمایا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ
 میں تمہاری ان شرکیہ باتوں سے بیزار ہوں۔ " ﴿سورۃ ہود: 54﴾

سیدنا ہود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنایا تھا اور وہ جو باتیں کرتے تھے وہ
 سب اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہوتی تھیں لیکن عادی قوم نے ان کی رسالت اور وحی
 کو یہ سمجھا کہ ان کی عقل کو کوئی خرابی لاحق ہو گئی ہے، اس لیے یہ بہکی بہکی باتیں اور
 مجبوظ قسم کے دلائل بیان کرتا ہے۔ انہوں نے اپنے عقائد کے مطابق اس کی وجہ یہ
 تلاش کی کہ ہمارے معبودوں نے تصرف کر کے ان کی عقل اور فہم کو مجبوظ بنا دیا ہے۔
 اب آپ انصاف کریں کہ سیدنا ہود علیہ السلام پر وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تصرف
 کام کر رہا تھا یا عاد کے معبودوں کی بددعا اثر کر رہی تھی۔ چوں کہ عاد کی قوم شرکیہ
 عقیدے کی وجہ سے اپنے مشائخ اور اوتاروں کے تصرف کی قائل تھی اس لیے انہیں
 اللہ تعالیٰ کے ہر تصرف میں اپنے معبودوں کا تصرف سامنے نظر آتا تھا۔ اس دور کے
 اہل شرک کا بھی یہی شیوہ ہے کہ کائنات کے نظام میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کا تصرف
 ظاہر ہوتا ہے وہ اس تصرف کو کسی نہ کسی بزرگ ہستی کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مشن

انبیاء علیہم السلام کی ایک کثیر جماعت کو مخلوق کی طرف مبعوث کرنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ کائنات کے اندر انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی اُلُوہیت سے متعارف کرا سکیں۔ اگر انسانوں نے کائنات کے حقیقی خالق اور مدبر کا صحیح ادراک نہ کیا تو وہ اپنی ناقص عقل کے ذریعے جو بھی ان کے فہم میں آئے گا اُسے اپنا معبود بنا لیں گے۔ اس کی نظیر آپ نے اس دور میں بھی مشاہدہ کر لی ہے جن انسانوں کو حقیقی اِلٰہ کا ادراک نہیں ہو سکا۔ وہ کیسی کیسی خسیس چیزوں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں۔

عام لکڑی تو ایندھن کا کام دیتی ہے لیکن ہمارے ملک میں پیلو کے ایسے درخت جو بزرگوں کی طرف منسوب ہیں ان کے اتنے پُجاری موجود ہیں۔ اگر ان درختوں کی شاخوں اور پتوں کو شمار کیا جائے تو یہ پُجاری ان سے بھی کئی گنا زیادہ بڑھ جائیں گے۔ دیکھئے انسان ایک قیمتی جان رکھتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کو گوارا نہیں تھا کہ ایسا قیمتی انسان ایک خسیس درخت کو معبود بنا کر جہنم میں چلا جائے۔ اس پر رحمتِ الہی کو جوش آیا اس لیے اس نے ہماری طرف اپنے رسول بھیج دیئے تاکہ انسان ابدی ہلاکت سے ہمیشہ کے لیے بچ جائیں۔

دیکھئے اس آیت میں رحمتِ الہی کے ارادے اور بعثتِ نبوی ﷺ کے مقصد کو کس خوبی کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴾ ﴿١٠٤﴾

"جب ہمارا کائنات کے انسانوں پر رحمت کرنے کا ارادہ ہوا تو ہم نے توحید کی

تبلیغ کے لیے محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیج دیا۔" ﴿سورة الانبياء: 107﴾

اس آیت کا صحیح مفہوم یہی ہے جو ترجمے میں بیان کیا گیا ہے۔ اس مفہوم سے ہٹ کر اگر کوئی دوسرا مفہوم اخذ کیا جائے تو قرآن مجید کی صریح تحریف ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے بنیادی مقاصد کو اس دوسری آیت میں کھول کر بیان کر دیا گیا ہے جو اوپر کی آیت کے ساتھ معنوی تطبیق رکھتے ہوئے ایک دوسرے کی شرح کر رہی ہیں۔

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيَّ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴾ ﴿٢٥﴾

" اے نبی ہم نے آپ سے

پہلے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا کہ جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا

کوئی الٰہ ہونے کے لائق نہیں پس میری ہی عبادت کیا کرو۔" ﴿سورة الانبياء: 25﴾

ان آیات کے مفہوم سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد

یہی یہی ہے کہ کائنات کے بھٹکے ہوئے انسانوں کو لا الہ الا اللہ کے حقائق سے آگاہ کر دیا

جائے۔ جب تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد توحید کی تبلیغ کرنا ہے تو نبی اکرم

ﷺ کو ساری کائنات کے لیے رحمت بنانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ کہ کائنات میں

بننے والے تمام انسانوں کو الہِ حقیقی کی اُلُوہیت سے متعارف کرا سکیں۔ جب انسان نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کو قبول کر لیں گے تو ابدی عذاب سے بچ کر ہمیشہ کے لیے جوارِ رحمت میں زندگی گزار سکیں گے۔

إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾

"(جو لوگ اللہ کی اُلُوہیت کا اقرار اور عمل صالح کریں گے دنیا اور آخرت میں) یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمت ان نیکوکاروں کے ساتھ رہے گی۔" ﴿سورة الاعراف: 56﴾

شُرک کا نسب نامہ

کسی جنس کا جب کسی دوسری جنس کے ساتھ تعلق جوڑا جاتا ہے تو اس میں باہمی ربط کے تناسب کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ جیسے عدد میں عدد تو جمع ہو سکتا ہے عدد کے ساتھ الفاظ جمع نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح انسان کا انسان کے ساتھ باہمی رشتہ تو قائم ہو سکتا ہے لیکن انسان اور درخت کے درمیان رشتے کا تناسب صحیح نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی یوں کہے کہ کھجور کا درخت فلاں آدمی کا باپ ہے یا فلاں آدمی ام کے درخت کا بھائی ہے یا فلاں آدمی کسی فرشتے کا رشتہ دار ہے تو ایسا کہنے والے کو ہم انتہائی درجے کا احمق کہیں گے۔

اب آئیے مشرکین کے احمقانہ عقائد کا حال سنئے جن میں انہوں نے اللہ حقیقی کے ساتھ اپنے معبودوں کی رشتہ داریاں اُستوار کر رکھی ہیں۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ہمارے معبود تو مخلوق کی جنس سے تعلق رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کسی مخلوق کے ساتھ تعلق کے لحاظ سے پیوست نہیں ہو سکتی، اب ان کے مابین تعلق کس رشتے سے ثابت کیا جائے جس سے ہم ظاہر کر سکیں کہ ہمارے معبود یا تو اللہ کا جزو ہیں یا اس میں خلل کر کے وہ عین اللہ بن جاتے ہیں۔ مشرکین اب بڑے پریشان تھے کہ اللہ کو تو اللہ کہہ سکتے ہیں لیکن اللہ کے جزو کو ہم کس نام سے موصوف کریں تاکہ ان میں بھی شانِ اُلُوہیت جلوہ گر ہو سکے، جھوٹ کے پاؤں تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ آخر کار انہوں نے ہاتھ پاؤں مار کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے معبودوں کی کچھ نہ کچھ رشتہ داریوں کا تناسب قائم کر ہی لیا۔

قرآن مجید میں ان رشتہ داریوں کی اس طرح نشاندہی کی گئی ہے۔

نمبر: ۱

جو مشرکین جنات کی پرستش کرتے تھے اور انہیں اپنے حوارج اور مصائب میں پکار کر ان سے مدد طلب کرتے تھے۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ جنات جو تمہارے معبود ہیں اللہ کے نزدیک ان کا کیا مقام ہے؟ وہ کہتے ہیں اللہ اور جنات کا نسبی خاندان ایک ہی ہے اس لیے یہ اللہ کے رشتہ دار ہیں۔

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسَبًا

" اور انہوں (جنات کے پجاریوں) نے اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان رشتہ داری کا تعلق قائم کر رکھا ہے "

﴿سورة الصافات: 158﴾

جنات کی تعداد تو شمار میں بھی نہیں آسکتی، اتنے رشتہ داروں میں کسی مخصوص رشتہ کی تعیین مشکل ہے۔ اس لیے اس وسیع رشتہ داری میں تمام رشتوں کی قسمیں داخل ہو سکتی ہیں۔ جیسے بہن ، بھائی ، بیٹا ، بیٹی کے علاوہ سسرال ، ننھیال کے رشتے بھی متعین ہو سکتے ہیں۔ (اعاذنا اللہ منہ)

نمبر: ۲

جو مشرکین فرشتوں کو اپنا حاجت روا سمجھ کر ان کی پرستش کیا کرتے تھے ان سے جب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ تمہارے معبود اللہ کے ساتھ کس قسم کا تعلق رکھتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں خیر سے یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اللہ کے بیٹے تو پیدا نہ ہوئے اگر کچھ ہوئے تھے تو دودھ پیتے ہی مر گئے۔ (نعوذ باللہ)

﴿وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَاثًا﴾

" اور (مشرکین نے) فرشتوں کو جو اللہ تعالیٰ کی محض غلامی کرتے ہیں اللہ کی بیٹیاں قرار دے رکھا ہے۔ "

﴿سورة الزخرف: 19﴾

اللہ تعالیٰ نے ایسے عقیدے والوں کی ملامت بھی کی ہے کہ جب نکلا پیدا ہوئے تھے کیا تم اس وقت موجود تھے یا تمہیں کیسے پتہ چل گیا ہے کہ فرشتے تولید کے وقت موٹھ پیدا ہوئے۔

عرب کے مشرکین ایک مجہول غیرت کی وجہ سے اپنی لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا ہمارا درجہ تمہاری غیرت سے بھی گرا ہوا ہے کہ تم لوگ تو اپنے لیے لڑکیوں کا وجود بھی برداشت نہیں کر سکتے لیکن ہمارے لیے ایک دو بھی نہیں بلکہ کروڑوں فرشتوں کو ہماری لڑکیوں کا مقام دے رکھا ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین جس طرح بے عقل ہوتے ہیں، اس سے زیادہ عقیدہ کے لحاظ سے بے غیرت بھی ہوتے ہیں۔

نمبر: ۳

یہود و نصاریٰ سیدنا عزیر علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام و مریم علیہا السلام کو اپنا الہ مانتے ہیں۔ جب ان سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ آپ کے الہ خیر سے اللہ کے نزدیک کیا مقام رکھتے ہیں؟ تو چوں کہ یہ اہل کتاب اور پڑھے لکھے لوگ تھے اس لیے یہ لوگ مشرکین سے چار قدم آگے نکل گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور مریم علیہا السلام کا مقام اللہ کے نزدیک ایسا ہے جیسا خاوند کے گھر میں بیوی کا اختیار ہوتا ہے۔ اور کبھی اس سے بھی زیادہ تجاوز کر کے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو عین اللہ کا مقام دیتے ہیں۔ جب ان سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ تم لوگ جب ان الہوں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہو، آخر تم بھی اللہ کے نزدیک کوئی نہ کوئی مقام ضرور رکھتے ہو گے؟ تو وہ اُچھل کر کہتے ہیں جناب ہمارے مقام کا کیا پوچھتے ہو۔

نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاءُهُ

" ہم رشتے میں اللہ تعالیٰ کے پوتے پلوتے بھی ہیں اور ساتھ ہی اس کے محبوب بھی "

﴿سورة المائدة: 18﴾

اس رشتے سے ان کا مقصود یہ تھا جو کسی کا نسباً بیٹا یا پوتا ہوتا ہے، وہ اسے طبعاً پیارا بھی ہوتا ہے۔ کیا باپ برداشت کر سکتا ہے کہ اپنی پیاری اولاد کو جہنم میں جھونک دے اس لیے نہ ہم بڑے بڑے اعمال کے مکلف ہیں اور نہ گناہوں کے ارتکاب سے جہنم میں داخل ہو سکتے ہیں۔

نمبر: ۴

جو مشرکین اولیاء کرام اور علماء عظام کی پرستش کرتے ہیں، ان سے جب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ آپ کی یہ مقدس ہستیاں اللہ ﷻ کے نزدیک تقرب کے لحاظ سے کیا مقام رکھتی ہیں؟ وہ کہتے ہیں یہ حضرات جب ہمارے نزدیک اللہ کا جزو ہیں تو جو صفت اصل وجود میں ہوتی ہے۔ وہی صفت اس کے جزو میں بھی موجود ہوگی، لہذا ہم انہیں بڑے الہ کے سامنے چھوٹے چھوٹے رب ہونے کا مقام دیتے ہیں۔ جس طرح اللہ شرعی تصرف میں تحلیل و تحریم کا اختیار رکھتا ہے، اسی طرح ہمارے یہ چھوٹے رب بھی جس حرام کو چاہیں حلال بنا سکتے ہیں اور جس حلال کو چاہیں حرام بنا سکتے ہیں۔

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ
اللَّهِ وَالْمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ

" انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور اولیاء کو باعتبار اطاعت کے انہیں اپنا رب بنا

رکھا ہے اور جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم کو اپنا رب بنا رکھا ہے۔ " ﴿سورة التوبة: 31﴾

آپ نے شرک کے نسب نامے کا اچھی طرح مشاہدہ کر لیا ہے کہ نسبی رشتے داری میں کوئی ایسا رشتہ باقی نہیں رہا جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کیا گیا ہو۔

اللہ ﷻ کے ان تمام رشتوں اور تعلقات سے مشرکین کا واحد مقصد یہ ہے کہ ہمارے یہ معبود خواہ وہ مخلوق کی کسی جنس سے بھی تعلق رکھتے ہوں، اللہ کے وجود کا ایک حصہ ہیں، پھر مشرکین کے ہر طبقے نے اللہ ﷻ کے اس حصے کا نام اپنے اپنے فہم کے مطابق علیحدہ علیحدہ وضع کر لیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے جزء ہونے پر دُنیا کے تمام مشرکین کا اتفاق ہے۔ قرآن مجید میں ہے:-

﴿ وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا ﴾

"ان مشرکین نے اللہ کے بندوں میں سے جو مخلوق ہوتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ

کا ایک حصہ بنا رکھا ہے۔" ﴿سورة الزخرف: 15﴾

قاعدہ ہے کہ جو صفت اصل وجود میں ہوگی، اگر اس وجود میں سے کچھ حصہ علیحدہ کر دیا جائے تو اس جزو میں بھی وہی تاثیر ہوگی جو اس وجود کے اصل میں پائی جاتی ہے۔ سونے کو کاٹ کاٹ کر اگرچہ اس کے لاکھوں حصے بھی کر دئے جائیں تو اس کے ہر جزو کو ہم سونا ہی کہیں گے۔

اسی طرح جو مخلوق اللہ تعالیٰ کا جزو بن جائے گی تو اس میں بھی وہی اختیار اور تصرف پیدا ہو جائے گا جیسا کہ اصل اللہ تعالیٰ میں پایا جاتا ہے۔ اس لیے مشرکین جسے اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں اُسے اللہ تعالیٰ کا جزو بناتے ہوئے اس میں تصرف اور اختیار کا بھی وہی عقیدہ رکھتے ہیں جس طرح اللہ ﷻ کے تصرف اور اختیار میں پایا جاتا ہے

اور جس میں یہ صفت پائی جاتی ہو اُسے اِلٰہ کہتے ہیں۔ اُلُوہیت اور رُبُوہیت چوں کہ ایک معنی کے مترادف ہے اس لیے جسے ہم اِلٰہ کہیں گے اُسے رَبُّ بھی کہہ سکتے ہیں۔
فرعون چوں کہ اپنے آپ کو رُبُوہیت کی صفت سے موصوف کرتا تھا اس لیے اس نے اپنے دعویٰ میں کہا تھا۔

أَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَىٰ ﴿٢٣﴾

"(اے اہل مصر) میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔" ﴿سورة النازعات: 24﴾
اس لیے وہ اپنے وزراء کی اسمبلی میں ان کو خطاب کر کے کہتا ہے:-

يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي

"اے میرے اہل دربار مجھے تو اپنے سوا تمہارا کوئی اِلٰہ معلوم نہیں ہوتا۔"

﴿سورة القصص: 38﴾

دیکھئے فرعون کے دعویٰ رُبُوہیت سے مقصود یہ ہے کہ ذرّ اصل میں اس ملک مصر کا اِلٰہ ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ رَبُّ اور اِلٰہ کا مفہوم ایک ہی ہے۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ مُشرکین نے جنّات ، ملائکہ ، انبیاء ، اولیاء ، مشائخ اور علماء کو اپنا اِلٰہ بنا رکھا ہے۔ اس لیے اس عقیدے کے تحت ان سب کو قرآن مجید میں مُشرکین کا لقب دیا گیا ہے۔

اب آئیے قرآن مجید فرقان حمید میں ہم اس بات کو تلاش کرتے ہیں کہ کسی مقدس ہستی کے ماننے میں وہ کون سی تفریط اور غلطی ہو جاتی ہے کہ جس سے وہ الہ بن جاتا ہے اور اس کے ساتھ ایسا عقیدہ رکھنے والے مُشرک ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید میں الہ کا حقیقی مفہوم

کُفر کی وادی سے نکل کر انسان جب اسلام کے دائرے میں داخل ہوتا ہے تو اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ پہلے لَّا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اقرار کر لے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس کلمہ کو اسلام کی بنیادی شرط کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اس لیے کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ دُنیا کے تمام کافر اور مُشرکین اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ تمام کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن اگر انہیں کہا جائے کہ یہ بات بھی مان لو کہ اس عالمین کا نظام بھی وہی اکیلا الہ چلا سکتا ہے تو وہ انکار کر دیتے ہیں۔

اللہ ﷻ کی اس دوسری صفت کا انکار ان کے پہلے اقرار کو اس لیے باطل کر دیتا ہے کہ اللہ ﷻ کو ماننے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ اس کی ایک صفت کو تو مان لیا جائے لیکن دوسری صفت کا انکار کر دیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کُفر اور اسلام میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت کے ساتھ ساتھ کائنات میں اس کی حاکمیت کو بھی تسلیم کر لیا جائے۔ اس لیے لَّا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے کلمہ میں الہ کے ایسے جامع صفاتی اسم کو رکھا گیا ہے جس کے پڑھنے اور

ماننے سے اللہ ﷻ کی خالقیت اور حاکمیت دونوں کا اقرار ہو جاتا ہے ورنہ کلمہ اس طرح بھی ہو سکتا تھا لَا خَالِقَ إِلَّا اللَّهُ، لَا رَحِيمَ إِلَّا اللَّهُ، لَا غَفَّارَ إِلَّا اللَّهُ۔ کیوں کہ ان کلموں میں اللہ کی بعض مخصوص صفات کا اظہار تو ہوتا ہے لیکن اُلُوہیت کا مکمل اقرار نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے باقی تمام صفاتی اَسْمَاء کو چھوڑ کر کلمہ طیبہ میں ایسا جامع صفاتی نام منتخب کیا ہے جس کے ماننے سے اللہ کی تمام صفات کا اقرار ہو جاتا ہے اور اس صفاتی اِسْم کا نام اِلٰہ ہے۔ اب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللَّهُ کا معنی اس طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کائنات میں دوسرا کوئی اِلٰہ نہیں ہے، جو اللہ ﷻ کو اِلٰہ مان لے گا وہ مسلمان ہے جو اسے اِلٰہ نہ مانے گا وہ پکا کافر اور مشرک ہے۔

اب آئیے قرآن مجید میں دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اُلُوہیت کس طرح منوانا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کلمہ طیبہ میں اُلُوہیت کی تفہیم کو قرآن مجید کے مطابق مان لیں تو توحید کے بارے میں اب تک جو کروڑوں تاویلات کی گئی ہیں ان سب سے نجات حاصل کر لیں گے۔ کلمہ میں لفظ اِلٰہ کا مفہوم کیا ہے؟ اِلٰہ کا عام فہم مفہوم یہ ہے کہ تمام کائنات کی کار سازی کرنے والا۔ کائنات کو پیدا کرنا یہ بھی اس کی کار سازی ہے۔ پیدا کرنے کے بعد تمام مخلوق کی حوائج اور بقاء کا انتظام کرنا یہ اس کی کار سازی میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں کے سامنے اپنی اُلُوہیت کی کار سازی کو زیادہ نمایاں کیا جائے۔ اس لیے لفظ اِلٰہ کی تفہیم کو آسان کرنے کے لیے اس کے قائم مقام قرآن میں اِسْم وکیل کو لائے ہیں جس کا لغوی معنی بھی کار ساز ہے تاکہ کلمہ کے مفہوم میں کسی قسم کی الجھن باقی نہ رہے۔

اب قرآن مجید کے شواہد پیش کئے جاتے ہیں تاکہ اللہ ﷻ کی توحید میں آپ صحیح تقریب حاصل کر سکیں، اس تقریب کا اللہ ﷻ کے نزدیک اتنا بڑا درجہ ہے کہ اگر آپ کے اتنے گناہ ہوں جن سے زمین و آسمان کے تمام طبقات بھی بھر جائیں پھر بھی آپ نجات حاصل کر کے جنت کے اعلیٰ مدارج میں داخل ہو جائیں گے۔

بعثتِ انبیاء علیہم السلام کے مقصد میں پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ ہر رسول کو اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ وہ سب سے پہلے بھٹکے ہوئے انسانوں کو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی تشریح سمجھائیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت عطاء کی گئی تو ان کی طرف بھی سب سے پہلے یہ وحی کی گئی۔

وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ﴿١٣﴾
 إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي ﴿١٤﴾

" اے موسیٰ میں نے تجھے نبی بنانے کے لیے منتخب کیا ہے سو اس وقت جو کچھ وحی کی جارہی ہے اسے اچھی طرح سن لو، وہ یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی دوسرا الہ نہیں پس تم میری ہی عبادت کرتے رہنا۔ " ﴿سورۃ طہ: 13، 14﴾

دیکھئے اس وحی کے کلمے لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا میں حکم دیا گیا ہے کہ میں ہی اللہ ہوں اور میرے سوا کوئی دوسرا الہ نہیں یعنی مجھے کائنات کا اکیلا الہ مان لو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ الہ کا مفہوم کیا ہے اور اسے ماننے کا طریقہ کیا ہے؟ قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر اس آیت کی اس طرح تصریح کر دی ہے تاکہ الہ ماننے والوں کے ذہن میں کسی قسم کی خلش باقی نہ رہے۔

وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ
 إِلَّا تَتَّخِذُوا مِن دُونِي وَكَيْلًا ۝

" ہم نے موسیٰ کی طرف تورات کی کتاب بھیجی اور ہم نے اس کتاب کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا، اس کتاب کا مقصد یہ تھا کہ تم لوگ میرے سوا اپنا کوئی دوسرا کار ساز مت بنانا۔"

﴿سورۃ بنی اسرائیل: 2﴾

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ابتدائے نبوت میں کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا جو اتارا گیا تھا، تورات کی کتاب میں اس کی تصریح کر دی گئی تھی کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ماننے کا مقصد یہ ہے:-

" إِلَّا تَتَّخِذُوا مِن دُونِي وَكَيْلًا " کہ تم لوگ میرے سوا کوئی دوسرا کار ساز مت بنانا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ کلمہ میں جو اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اللہ ﷻ کو آپِ الہ مان لیں۔ اوپر کی آیت میں الہ کے مفہوم کی تصریح کر دی گئی ہے کہ الہ ماننے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ ﷻ کے سوا کسی دوسرے کو اپنا کار ساز (وکیل) مت بناؤ۔ لیکن کافر اور مشرکین کلمے کے اس معنی کو تسلیم نہیں کرتے، وہ اللہ ﷻ کو کائنات کا خالق تو مان لیتے ہیں لیکن وہ اللہ کو تمام مخلوق کا اکیلا کار ساز نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں جب تک ہمارے معبود اس کار سازی میں تعاون نہ کریں ایسا عظیم وزن اکیلا اللہ تعالیٰ کیسے اٹھا سکتا ہے؟

قرآن حکیم نے ایک سادہ دلیل اور فطری حکمت کے ساتھ مشرکین کے اس تذبذب کا پورا ازالہ کر دیا ہے، اس کے بعد بھی کوئی اگر تسلیم نہ کرے تو اس کا علاج جہنم کے عذاب کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿٢٢﴾

" کائنات کی ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور (جو اکیلا پیدا کر

سکتا ہے) وہ تمام مخلوق کا اکیلا کارساز بھی بن سکتا ہے " ﴿سورة الزمر: 62﴾

دیکھئے اس آیت میں خالق اور وکیل ان دو اسموں کو جمع کر کے کس طرح

إلہ کے مفہوم کو آسان بنا دیا ہے۔

اگلی آیت میں خالق اور وکیل دونوں کو جمع کر کے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے پورے مفہوم کو

بڑی خوبی کے ساتھ ہمیں سمجھا دیا ہے، ساتھ ہی مشرکین کے اہم اشکال کو بھی رفع کر

دیا ہے۔

| تخلیق کائنات کا ثبوت | جو کلمہ اللہ منوانا چاہتے ہیں | کلمہ کے معنی کی تصریح |
|---|--|---|
| رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ | لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ | فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا |
| وہ اللہ کائنات کی مشرق اور مغرب کا رب ہے۔ | اس اللہ کے سوا دوسرا کوئی إلہ نہیں ہے۔ | اے میرے پیدے نبی (ﷺ) اپنے ہر معاملے میں اس إلہ کو اپنا کار ساز بنائے رکھ۔ |

﴿سورة المزمل: 9﴾

اس آیت میں تین جملے ہیں، ہر جملہ آپس میں ایک دوسرے کی دلیل اور إلہ کی تصریح

کر رہا ہے۔

نمبر: ۱ پہلے جملے میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کائنات کے مشرق اور مغرب کا رب اللہ تعالیٰ

ہے۔

نمبر:- ۲ دوسرے جملے میں ہے کہ کائنات کا جب رب وہی ہے تو معبود (إِلٰہ) بننے کے لائق بھی وہی ہو سکتا ہے لہذا تم اسے اپنا إِلٰہ مان لو۔

نمبر:- ۳ تیسرے جملے میں ہے کہ اللہ کو إِلٰہ ماننے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے اپنے ہر معاملے اور حوائج میں کار ساز بنائے رکھو۔

دیکھئے قرآن حکیم نے ایک مختصر آیت میں مشرکین کے اہم تذبذب کو بھی رفع کر دیا ہے اور ساتھ ہی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا مفہوم بھی کتنی سادگی کے ساتھ ہمیں سمجھا دیا ہے۔ دوسرا اس آیت میں ایک خاص نکتہ بھی بیان کیا گیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ کہیں یہ اُمتِ محمد یہ شرک کے غلو میں گرفتار ہو کر نصاریٰ کی طرح گمراہ نہ ہو جائے ، وہ نکتہ یہ ہے کہ آیت میں توحید کے دلائل بیان کرتے ہوئے آخری جملے میں اُلُوہیت کے اقرار کو نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے ساتھ مختص کر دیا گیا ہے۔

فرماتے ہیں:-

فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا

"اے میرے نبی اپنے ہر معاملے میں اللہ کو کار ساز بنائے رکھئے۔" ﴿سورة المزمل: 9﴾

حالانکہ یہ حکم اُمتِ محمد یہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے ہر فرد کے لیے عام ہے جیسا کہ آپ پچھلی آیت میں پڑھ چکے ہیں کہ اس حکم کے خطاب میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تمام اُمت شامل تھی۔ اس حکم کے خطاب میں محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو انفرادی طور پر اس لیے مختص کیا گیا ہے، اس کی دو وجوہات معلوم ہوتی ہیں:-

نمبر: ۱ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر اپنے رسولِ اکرم ﷺ کی اطاعت فرض کر دی ہے، اب نبی کو حکم ہوتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا کارسازمان لو، جب نبی ﷺ نے اللہ کو اپنا کارسازمان لیا تو ہمیں حکم ہوتا ہے کہ تم بھی اپنے نبی ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے اللہ کو اپنا کارسازمان لو، یعنی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں بنیادی شرط یہ رکھی گئی ہے کہ جب تک اپنے نبی کا عقیدہ تسلیم نہ کرو گے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں داخل نہیں ہو سکتے۔

نمبر: ۲ نبی اکرم ﷺ کے عقیدے میں اطاعت کرنے کا دوسرا اہم فائدہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جیسی ہستی اپنے ہر معاملے میں اللہ کی کارسازی اور امداد کے لیے محتاج ہے تو کائنات میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اونچی شان والا دوسرا کون ہو سکتا ہے جو مخلوق کا حاجت رُو اور مشکل کشا بن سکے۔

اس آیت کی اس مختصر تشریح سے معلوم ہوا کہ جس طرح توحید کے عقیدے میں اللہ ﷻ کو تمام مخلوق کا کارساز سمجھا جائے اس طرح رسول کی اطاعت میں بھی بنیادی شرط یہ ہے کہ رسول کو اس طرح مانا جائے کہ وہ اپنے ہر معاملے اور حوائج میں اللہ کی کارسازی کا محتاج ہوتا ہے۔ جب نبی اکرم ﷺ کو عقیدۃ ایسا مان لیا جائے تو پھر اولیاء اور مشائخ کے بارے میں ہم یہ عقیدہ کیسے رکھ سکتے ہیں کہ فلاں بزرگ یا پھر فلاں فلاں مُصیبت میں ہماری مدد کر سکتا ہے کیا اس سے اللہ ﷻ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا مقصد پورا ہو جاتا ہے باقی رہا اسے قبول کرنا یا نہ کرنا جیسے آپ کو آپ کا ضمیر اجازت دے ہم آپ کی مختاری میں دخل انداز نہیں ہو سکتے۔

تصرفات کے ذریعے قرآن مجید میں کلمہ طیبہ کی تشریح

آپ پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ کلمہ طیبہ کا مقصد یہ ہے کہ اللہ ﷻ کو الہ مان لیا جائے اور الہ کا مفہوم ہے تمام مخلوق کا اکیلا کار ساز۔ جب ہم نے یہ تسلیم کر لیا کہ اللہ ﷻ تمام مخلوق کا اکیلا کار ساز ہے، لیکن جب تک کسی مخلوق پر اللہ ﷻ کی کار سازی کے تصرف کا مشاہدہ نہ کر لیں تو ہمیں یہ کیسے پتہ چلے کہ اللہ ﷻ اپنی مخلوق کے لیے کیسے کار سازی کر سکتا ہے۔

تصرف کہتے ہیں کسی چیز پر اپنی قوتِ فعلیہ کو استعمال کر کے اس کے نتیجے کو ظاہر کرنا۔ اس لیے قرآن حکیم میں چند مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض مخصوص تصرفات کا ذکر کر دیا ہے، مقصد یہ ہے تاکہ انسان ان تصرفات کا اعتقادی مشاہدہ کر کے تسلیم کر لے کہ مخلوق کی ایسی کار سازی صرف الہ کر سکتا ہے۔ جو اس کار سازی کے تصرف کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرے گا مشرک بن جائے گا۔

ان آیات میں تصرفات کے بیان کا انداز اس طرح رکھا گیا ہے کہ وہاں ہر کار سازی کی قوتِ فعلیہ کو الہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ تاکہ ان آیات میں الہ کے مفہوم کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے۔

ہماری گزشتہ سُطور کے مقصد کو سادہ ذہن رکھنے والے شاید اچھی طرح نہ سمجھ سکے ہوں تو آئیے ہم ذرا مزید سہل کر کے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں قرآن حکیم میں کلمہ طیبہ کا مطلب یہ ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اپنا الہ مت بناؤ۔ ہم ناقص انسان جو علم و فہم میں اتنی سُوجھ بوجھ نہیں رکھتے ایسی بات کو شواہد کے بغیر نہیں سمجھ سکتے۔ ہاں اگر ہم اپنے الہ کی دنیا میں کار سازی کی کچھ علامتیں مشاہدہ کر لیں تو پھر ہمارے لیے یہ بات سمجھنی بالکل آسان ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی یہی چاہتی ہے کہ کلمہ کی تفہیم کے لیے ایسے آسان شواہد بیان کئے جائیں تاکہ ہر انسان خواہ وہ کتنی ہی سادہ عقل کیوں نہ رکھتا ہو اُلُوہیت کے مفہوم کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکے۔

کلمہ طیبہ کا مفہوم اور آسان دلیل

انبیاء علیہم السلام کو ماننے والے تمام مُشرکین اقرار کرتے ہیں کہ دنیا کے تمام انسانوں میں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ تقرب انبیاء کرام کی جماعت کو حاصل ہوتا ہے۔ ایسے مُشرکین کی عادت ہے کہ جس ہستی کو اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب مانتے ہیں، عقیدۃً اسے اُلُوہیت کا درجہ دے کر اس کے ساتھ شُرک کرنے لگ جاتے ہیں، بعض انبیاء علیہم السلام کے مصائب کو قرآن مجید میں بطور شواہد اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ جو انسان انہیں حاجت رُو سمجھ کر اپنے مصائب میں پکارتے ہیں ان کے اس شُرکِ عقیدے کی عقلاً بھی اچھی طرح تردید ہو جائے۔ کوئی نبی جب کسی مصیبت میں

گر فتنہ ہو جاتا ہے، ایسی مقرب ہستی کا ایک بڑی مصیبت میں پھنس جانا یہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ واقعی یہ ہستیاں اللہ ﷻ کے سامنے بالکل عاجز اور بے بس نظر آتی ہیں۔

قاعدہ ہے کہ جب ایک چیز کسی دوسری چیز پر غالب آجاتی ہے تو غالب چیز کے مقابلے میں مغلوب چیز کی کمزوری واضح ہو جاتی ہے۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ بعض قوی انسان شیر کا بھی مقابلہ کر لیتے ہیں لیکن وہی انسان نیند اور بھوک کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ اگرچہ انسان طاقت کے لحاظ سے بہت قوی نظر آتا ہے لیکن طبعاً اس میں ایسی کمزوریاں بھی پائی جاتی ہیں جن کے مقابلے میں اس کی تاب بالکل بے بس ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی نبی کا کسی مصیبت میں گرفتار ہو جانا اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اگر اس میں اُلُوہیت کا ادنیٰ اختیار بھی موجود ہوتا، پہلے تو اس پر کوئی مصیبت غلبہ نہ کر سکتی، اگر کوئی مصیبت جبراً غلبہ کرنے کی کوشش بھی کرتی تو وہ نبی اپنے تصرف سے فوراً اُسے دور کر دیتے۔ بلکہ قرآن مجید میں تو اس کے برعکس دلائل ملتے ہیں وہ یہ کہ جب کسی نبی پر کوئی مصیبت نازل ہوتی تو وہ فوراً اللہ ﷻ کے سامنے تضرع اور عاجزی کا اظہار کرتے کہ اے اللہ ﷻ میں تیرے نزدیک ایک عاجز اور بے بس بندہ ہوں اور تو ہی میرا الہ ہے اور میری اس مصیبت کو دور فرما۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن حکیم میں ایسے واقعات کو کیوں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم چوں کہ انسانوں کے لیے رُشد و ہدایت کی کتاب ہے اس لیے قرآن حکیم جب کسی واقعہ کو بیان کرتا ہے تو اسے تاریخی حیثیت سے بیان کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

بلکہ اس لیے کہ اس واقعہ میں انسانوں کی ہدایت کے لیے عملی یا اعتقادی اصلاح کا کوئی نہ کوئی اہم پہلو ضرور موجود ہوتا ہے۔ جہاں جہاں قرآن مجید میں انبیاء کرام علیہم السلام کے مصائب بیان کئے گئے ہیں، مقصود یہ ہے کہ ان کے ماننے والے یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ جب ایسے مقرب نفوس مصائب میں پھنس کر اپنی تکلیف کو اپنے اختیار سے دور نہیں کر سکتے تو اس سے کم درجے کے لوگ ائمہ اور اولیاء وغیرہ کس طرح تمہارے حاجت روا بن سکتے ہیں؟ ایسے واضح دلائل کے بعد بھی اگر کوئی شرک اور توحید کے درمیان امتیاز نہ کر سکے تو اس کا علاج قرآن حکیم کے پاس بھی موجود نہیں ہے۔

قرآن حکیم ایک مشہور رسول کا واقعہ بیان کرتا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ اُلجھے ہوئے انسانوں کو کلمہ طیبہ کا مفہوم اچھی طرح سمجھ آجائے۔ سیدنا یونس علیہ السلام ایک مشہور رسول ہیں۔ وہ کسی وجہ سے ایک بہت بڑی مچھلی کے پیٹ میں پھنس جاتے ہیں۔ انسان اگر ایک ایسی جگہ میں پھنس کر رہ جائے جہاں نہ بیٹھنے لیٹنے کی جگہ ہو اور نہ اس میں روشنی ہو اور نہ کہیں سے ہوا آسکے، اس سخت ترین گھٹن کا آپ انداز کر سکتے ہیں کہ ایسے مقام میں پھنسا ہوا انسان کتنی مصیبت برداشت کر رہا ہو گا۔ سیدنا یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں پھنس گئے تو وہ مصیبت اس سے بھی زیادہ شدید تر تھی، اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے، رسول کتنی اونچی شان رکھتا ہے لیکن اب یہ حالت ہے کہ ایک ایسی آفت میں پھنس کر رہ گئے ہیں جہاں سے نکلنے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے۔ اس حالت میں آپ کو ایک اولوالعزم نبی کس طرح مسلوب الاختیار اور بے بس نظر آرہا ہے، چاروں طرف سمندر کی تہہ کا اندھیرا، مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، اللہ جانے اس

رسول کو چاروں طرف سے کتنے اندھیرے گھیرے ہوئے ہیں، ان اندھیروں کے دبیز پردوں کے نیچے دیکھئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو کس طرح پکارتے ہیں:-

فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ

"مصائب کے اندھیروں میں گھرا ہوا نبی اپنے رب سے یوں فریاد کرتا ہے۔"

أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ

"تیری ذات پاک ہے تیرے سوا دوسرا کوئی (اللہ) کارساز نہیں ہے۔"

إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ

"میں پورا اعتراف کرتا ہوں کہ واقعی مجھ سے کچھ زیادتی ہو گئی ہے۔"

اوپر سے اللہ تعالیٰ کا جواب:-

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ

"ہم نے اپنے نبی کی دعاء منظور کر لی۔"

وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الغَمِّ

"اور ہم نے اُسے (ایک بڑی) مصیبت سے چھڑالیا۔"

اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ہماری یہ کارسازی صرف یونس علیہ السلام کے ساتھ مختص نہ تھی بلکہ ہمارا ازل سے یہ دستور چلا آ رہا ہے۔

وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ

" جو ہمیں اپنے عقیدے میں کار ساز سمجھ کر اپنی کسی مُصیبت میں بھی پکارے گا اس کی ہر مُصیبت کو دُور کر دیں گے۔"

﴿سورة الانبياء: 86، 87﴾

اس آیت کے اندر جو لفظ مومنین استعمال ہو رہا ہے اس میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن وہ ہے جو اپنی ہر مُصیبت میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے مومن کا قرآن حکیم میں دوسرا مفہوم مُسلم ہے، اس آیت میں مُسلم (مسلمان) کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

قُلْ إِنَّمَا يُوحِي إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ
فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٠٨﴾

" اے میرے نبی آپ تمام کائنات کے انسانوں کو فرمادیجئے میرے پاس تو صرف یہ حکم آتا ہے کہ تمہارا اللہ جو (مصابب دُور کرتا ہے) وہ صرف ایک ہی اللہ ہے۔ کیا تم ہماری بات مان کر مُسلمان بننا چاہتے ہو۔"

﴿سورة الانبياء: 108﴾

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنا حقیقی کار ساز بنا لے اور اپنی ہر مُصیبت میں صرف اُسے پکارتا رہے اور یہی کلمہ کا مفہوم ہے اور بس!

کلمے کی تفہیم کے لیے قرآن حکیم میں اور بھی متعدد آیات اور شواہد موجود ہیں مگر جو شخص اپنے سینہ میں قلبِ سلیم رکھتا ہے اس کے لیے اس قدر تحریر بھی کافی ہے اللہ کرے کہ تمام مسلمان کلمے کا صحیح مفہوم سمجھ جائیں۔

کلمہ طیبہ کی فرضیت اور تشریح

اسلام میں داخل ہونے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ پہلے اسے کلمہ طیبہ کی تفہیم اور اس کی فرضیت سے آگاہ کیا جائے۔ اس لیے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جب وہ دائرہ بلوغ میں داخل ہو جائے تو سب سے پہلے کلمہ کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ لے۔ جس طرح کلمے کا پڑھنا فرض ہے اس طرح یہ بھی ضروری ہے کہ یہ بھی معلوم کر لے کہ کلمہ پڑھنے کا اصل مقصد کیا ہے؟

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:-

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

" محمد ﷺ اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اللہ کے بغیر دوسرا کوئی الہ نہیں

ہو سکتا۔"

﴿سورة محمد: 19﴾

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح کلمہ پڑھنا فرض ہے اس کا مقصد اور مفہوم جانتا بھی وُجوب میں داخل ہے۔ کلمہ کا آہم جزو لفظ الہ ہے یعنی جو شخص صدقِ دل سے اللہ ﷻ کی اُلُوہیت کا اقرار کر لیتا ہے وہ اللہ ﷻ کے نزدیک حقیقی مسلمان بن جاتا ہے۔ اللہ ﷻ کی اُلُوہیت کسے کہتے ہیں؟ سابقہ اوراق میں اس پر کافی بحث ہو چکی ہے۔ لفظ الہ کی وضاحت کے لیے مزید چند آیات پیش کی جاتی ہیں تاکہ کلمہ کی تفہیم میں زیادہ سے زیادہ آسانی پیدا ہو جائے، قرآن نے جہاں شرک کا مقصد بیان کیا ہے وہاں

مشرکین کے اس بنیادی نکتے کو اچھی طرح نمایاں کیا گیا ہے کہ جب وہ کسی کو عقیدہ اپنا
 الہ بناتے ہیں اس سے ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ ہمارا خود ساختہ الہ ہمارے
 آہم معاملات میں نفع بھی دے سکتا ہے اور تکلیف بھی۔ بنی اسرائیل نے جب اللہ کو
 چھوڑ کر پچھڑے کو اپنا الہ بنا لیا تھا، سامری جو اس قوم کا گمراہ پیر تھا وہ اور اس کے مرید
 آپس میں کہنے لگے:-

فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَىٰ ۖ فَنَسِيَ ۗ ﴿١١﴾

"وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے تمہارا اور موسیٰ کا الہ تو یہ پچھڑا ہے پس موسیٰ تو اصل
 الہ کو بھول گیا ہے۔"

﴿سورۃ طہ: 88﴾

دیکھئے! بنی اسرائیل جو ایک مسلمان قوم تھی، شرک میں اس قدر اندھی ہو گئی
 تھی کہ کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام ہمارے (الہ) پچھڑے کو چھوڑ کر سیدھے راستے
 سے بھٹک گیا ہے، غلطی سے اس نے اپنا ایک دوسرا الہ بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی
 تردید میں فرماتے ہیں:-

أَفَلَا يَرَوْنَ إِلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا ۖ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۗ ﴿١٢﴾

"کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ ان کا الہ (پچھڑا) نہ تو ان کی کسی بات کا جواب
 دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی ضرر اور نفع پر قدرت رکھتا ہے۔"

﴿سورۃ طہ: 89﴾

پچھڑے کی الوہیت کی جو اس آیت میں تردید کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا
 کہ بنی اسرائیل نے پچھڑے کو اپنا الہ اس لیے بنایا تھا، ان کا عقیدہ تھا کہ یہ معبود
 ہمارے تمام معاملات میں نفع اور ضرر دے سکتا ہے اس لیے ان کے جواب میں فرمایا

گیا یہ پچھڑا جو کہ ایک حقیر چیز ہے، نہ وہ تمہاری کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ کسی کو نفع یا ضرر دینے پر قدرت رکھتا ہے، پھر تمہارا اِلہ کیسے ہو سکتا ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ اِلہ اُسے کہتے ہیں جو مخلوق کے ضرر اور نفع پر پوری

قدرت رکھتا ہو، نفع و ضرر کے مفہوم میں کافی وسعت پائی جاتی ہے۔

تمام کائنات کو پیدا کرنا، پیدا کر کے اس کی بقاء کا انتظام کرنا، ذلیل کو عزت دینا، گمراہ کو ہدایت پر لانا، کمزور کو غالب کرنا، مصائب کو دور کرنا، اولاد دینا، امراض کو شفاء میں تبدیل کر دینا۔۔۔ ایسی صفات کو نفع دینے کی قدرت کہتے ہیں۔ کائنات کو پیدا کر کے ختم کرنا، آباد شہروں کو برباد کرنا، قحط، زلزلوں اور جنگوں کے ذریعے قوموں کو ہلاک کرنا حکومتیں تبدیل کرنا، بادشاہوں کو ذلیل کرنا، جاہ و جلال کو ذلت میں بدل دینا، نافرمانوں کو سزا دینا۔۔۔ ایسی صفات کو ضرر دینے کی قدرت کہتے ہیں۔ جس ہستی میں نفع و ضرر کی یہ دونوں طاقتیں پائی جاتی ہوں اُسے اِلہ کہتے ہیں۔

اب لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ میں لفظ اِلہ کے معنی پر تدبیر کیجئے۔ اس سے کلمہ کا مقصد اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔ قرآن حکیم میں اِلہ کے مفہوم کو چند آیات میں حیران کن شواہد کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں شانِ اُلُوہیت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ ایسے شواہد کے بعد بھی اگر کوئی کلمہ کے مفہوم کو نہ سمجھ سکے تو اس کی عقل و دانش پر ماتم کرنا چاہیے۔

اب تفسیر اُلُوہیت کی چند آیات ملاحظہ فرمائیں:-

مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ

اللہ کے سوا دوسرا کون الہ ہو سکتا ہے؟

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَى قُلُوبِكُمْ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِهِ ۗ أَنْظُرْ كَيْفَ نَصَّرَفُ الْآيَاتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُونَ ﴿٤٦﴾

" آپ (ﷺ) ان سے کہئے اچھا یہ تو بتلاؤ؟ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کانوں کی شنوائی، آنکھوں کی بینائی بالکل ختم کر دے اور تمہارے دلوں پر ایسی مہر کر دے کہ تم حق و باطل کے درمیان امتیاز بھی نہ کر سکو۔ تو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرا کون سا الہ ہو سکتا ہے جو ان چیزوں کو واپس کر دے۔ آپ (ﷺ) دیکھئے ہم الوہیت کے دلائل کو کس طرح مختلف پہلوؤں سے پیش کر رہے ہیں۔ ایسے واضح دلائل کے بعد پھر بھی یہ اعتراض کرتے ہیں۔"

﴿سورة الانعام: 46﴾

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ الہ اُسے کہتے ہیں جو بہرے کو شنوائی اور آندھے کو بینائی دے سکتا ہو، اور جب دلوں پر کفر کی مہر لگ چکی ہو اُسے توڑ کر رُشد و ہدایت دے سکتا ہو، اللہ کے سوا ایسا کام کوئی دوسرا کیسے کر سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ الہ صرف اللہ ہی ہو سکتا ہے اب لا الہ الا اللہ کا معنی کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو الہ کیوں کہتے ہیں۔

مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ

اللہ کے سوا دوسرا کون الہ ہو سکتا ہے؟

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهُ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِضِيَاءٍ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ﴿٤١﴾
 قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهُ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٤٢﴾

"آپ ان سے کہتے، اچھا یہ تو بتلاؤ؟ اگر اللہ تعالیٰ تم پر رات کو اتنا طویل بنا دے کہ ہمیشہ کے لیے تاقیامت رات ہی رات رہے۔ تو اللہ کے سوا دوسرا کون سا الہ ہو سکتا ہے جو تمہارے لیے روشنی لے آئے۔ کیا تم توحید کے ایسے واضح دلائل کو نہیں سنتے۔ آپ ان سے دوبارہ پوچھیے اچھا یہ تو بتلاؤ؟ اگر اللہ تعالیٰ تم پر دن کو اتنا طویل کر دے کہ ہمیشہ کے لیے تاقیامت دن ہی دن رہ جائے، تو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرا کونسا الہ ہو سکتا ہے جو تمہارے لیے رات کو لے آئے جس میں تم آرام کر سکو۔ کیا تم ایسے شواہد اور دلائل کے بعد بھی بصیرت حاصل نہیں کرتے۔" ﴿سورة القصص: 71، 72﴾

ان آیات میں بتلایا گیا ہے کہ اگر اللہ ﷻ رات کو ایسا طویل کر دے کہ قیامت تک سورج ظُلُوع نہ ہو اور نہ تمہیں کوئی روشنی حاصل ہو سکے جس سے زندگی کا تمام نظام معطل ہو کر رہ جائے، اسی طرح اگر دن کو قیامت تک طویل کر دے کہ رات بھی نہ آنے پائے اور نیند اور سکون کا نظام بھی ختم ہو کر رہ جائے، اللہ کے سوا کوئی

دوسرا اِلٰہ ایسا کر سکتا ہے کہ ایسی طویل رات کے بعد دن کو لے آئے یا ایسے طویل دن کے بعد رات کو پیدا کر سکے کیا ایسے واضح دلائل کے بعد بھی تم اللہ کی اُلُوہیت کا اعتراف نہیں کرتے؟ اب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا معنی کیجئے کہ اللہ کو اِلٰہ کیوں کہتے ہیں؟

عَالِهٌ مَّعَ اللّٰہِ

کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی اِلٰہ ہے؟

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَآءً
فَاَنْبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا
اِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ۗ بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

"یا وہ ذات بہتر ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور آسمان سے تمہارے لیے بارش کے ذریعے پانی برسا یا، پھر اس پانی کے ذریعے ہم نے تمہارے لیے رونق دار باغ اگائے تم سے تو ممکن ہی نہ تھا کہ ایسے باغات اور مختلف قسم کے درخت اگا سکتے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں شریک ہونے کے لائق کوئی اور اِلٰہ ہو سکتا ہے (ہرگز نہیں) بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایسے واضح دلائل کے بعد بھی اپنے بزرگوں اور بتوں کو اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

﴿سورۃ النمل: 60﴾

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ کے لائق وہی ذات بہتر ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا، اور انسانوں کے لیے بارش کا انتظام کیا، بارش کے ذریعے باغات اور کھیتیاں آگائیں، جن سے انسانوں کی غذا اور معاش کا انتظام کیا، کیا ایسا کام کوئی پیر یا باطل معبود کر سکتا ہے۔، بلکہ وہ تو درخت سے ٹوٹا ہوا پتہ بھی دوبارہ نہیں جوڑ سکتے۔ جو ایسا کام کر سکتا ہے حقیقی اللہ بھی وہی ہو سکتا ہے اب لا الہ الا اللہ کا معنی پڑھئے اور تدبر کیجئے کہ اللہ کو الہ کیوں کہتے ہیں!

عَالِهِ مَعَ اللَّهِ

کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی اللہ ہے؟

أَمْ مَنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلْفَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ
جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَالِهِ مَعَ اللَّهِ ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

"یا وہ ذات بہتر ہے جس نے زمین کی سطح کو مخلوق کے لیے قرار گاہ بنایا۔ اور اس کے درمیان دریا اور نہریں جاری کیں اور زمین کے ٹھہرانے کے لیے اس پر پہاڑ کھڑے کر دیئے تاکہ ڈگمگانے سے محفوظ رہے۔ اور دو دریاؤں کے درمیان ایک حد فاصل قائم کر دی۔ کیا ایسے تصرفات میں اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا اللہ شریک ہو سکتا ہے؟ (ہرگز نہیں) مگر شرک کرنے والے نہیں مانتے بلکہ ان میں سے زیادہ تو اچھی طرح سمجھتے بھی نہیں۔"

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے لائق وہ ذات بہتر ہے جس نے مخلوق کے لیے زمین کو قرار گاہ بنایا پھر اس کے معاشی نظام کے لیے دریا اور نہریں جاری کر دیں، زمین کے نیچے اور چاروں طرف چوں کہ پانی موجود تھا اسے برقرار رکھنے کے لیے پہاڑوں کا وزن رکھ دیا تاکہ زمین ڈگمانے سے محفوظ رہے، اور دو دریاؤں کے درمیان ایک حد فاصل قائم کر دی، کیا ایسے تصرفات پر کوئی دوسرا اللہ قادر ہو سکتا ہے؟۔۔۔ اب تدبیر کیجئے کہ اللہ کو اللہ کیوں کہتے ہیں!

عَالِهٌ مَّعَ اللّٰهِ

کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی اللہ ہے؟

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ
الْأَرْضِ ۗ ءَالِهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾

"یا وہ ذات بہتر ہے، جب بے قرار آدمی اپنی مصیبت میں پکارتا ہے تو اس کی فریاد سن لیتا ہے اور سننے کے بعد اس کی مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں کاروبار اور عمل کے لیے بااختیار بناتا ہے۔ کیا ایسے تصرف میں اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا اللہ شریک ہو سکتا ہے؟ (ہرگز نہیں) مگر تم لوگ ہمارے دلائل کو بہت ہی کم یاد رکھتے ہو۔"

﴿سورة النمل : 62﴾

آدمی مصائب میں گھر کر جب چاروں طرف سے ناامید ہو جاتا ہے، اُسے اضطرابی

حالت کہتے ہیں۔ ایسی حالت میں انسان جب دُعا مانگتا ہے تو اس کی دُعا سن کر اس کی مُصیبت کون دُور کر دیتا ہے؟ جاہل اور شرکیہ اعتقاد رکھنے والا سمجھتا ہے کہ میں نے جب فلاں بزرگ اور بُت کو پکارا تھا تو یہ دُعا اس نے منظور کی تھی لیکن اس آیت میں اس کی تردید کی گئی ہے۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ انسان حالتِ اضطرابی میں جب اپنے باطل معبود کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اضطرابی حالت پر ترس کھا کر اس کا مقصد پورا کر دیتے ہیں، پکارنے والا خواہ کسی اور ہی کو پکارتا رہے لیکن مضطر کی مُصیبت اللہ ہی دُور کر سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو حالتِ اضطرابی میں فریاد عن کر کافر اور مومن کی مُصیبت دُور کر دیتا ہے اُسے اِلہ کہتے ہیں۔ اب کلمہ کے معنی میں تدبیر کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو اِلہ کیوں کہا گیا ہے۔ اور کلمہ طیبہ میں اِسْمِ اِلہ کو لانے کا کیا مقصد ہے۔

توحید کا خلاصہ

کلمہ طیبہ کے مفہوم سے معلوم ہوا کہ اُلُوہیت کے لائق وہ ذات ہو سکتی ہے جو تمام کائنات کے نظام اور مخلوق کے نفع اور ضرر پر پوری قدرت رکھتی ہو۔ جس کا وجود خود تغیر پذیر ہو اور فناء کے اثرات کو قبول کر سکتا ہو وہ کائنات کے نظام کو کیسے چلا سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کو فرمایا ہے، آپ ﷺ کو جب بھی کسی مُصیبت کا سامنا آپڑے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ

" تو آپ (ﷺ) ایسی ذات پر توکل کیجئے جس کی ذات نہ فنا کی زد میں آسکتی ہے اور نہ تغیر پذیر ہو سکتی ہے۔"

﴿سورة الفرقان: 58﴾

اس سے معلوم ہوا (إِلَه) حاجت روا اور مشکل کشا وہ ہو سکتا ہے جسے موت نہ آتی ہو۔ آپ کی نگاہ میں کوئی مخلوق، مقرب ہستی، بزرگ، یا رسول ایسا ہے جو فنا اور موت کے قانون سے باہر ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو فانی اور غیر فانی ہستی کے درمیان فرق نہیں کر سکتا، وہ توحید اور شرک کے درمیان تا ابد امتیاز نہیں کر سکتا۔ اس کا بنیادی حل یہ ہے کہ پہلے صدقِ دل سے کلمہ طیبہ کا مفہوم سمجھ لے، اس کے بعد اسے اللہ ﷻ کی صحیح معرفت حاصل ہو جائے گی۔

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
تری نگاہ سے پوشیدہ آدمی کا مقام

شاہ ابوالخیر اسدی

۱۵، رمضان المبارک ۱۳۹۸

۱۷، اگست ۱۹۷۸

تصانیف علامہ محمد ابوالخیر شاہ اسدی علیہ الرحمۃ

أصول القرآن

پہلا پارہ ترجمہ وحاشیہ

أم الكتاب میں اللہ کا تعارف

فلسفہ الٰہیات کے عجمی تصورات

عصری دہریت کے دلائل کا جواب

تقدیر کا عقیدہ

قرآن میں نزولِ مسیح کا حتمی فیصلہ

اسلام میں نزولِ مسیح کا تصور

نزول کے بعد حضرت عیسیٰ کا مقام رسالت

نزولِ مسیح کا معکوس عقیدہ

پرویزی مسلک میں خدا کا تصور

میراث میں عدل

تفہیم الالٰہ (عربی شاعری)

جواہر المنشورہ

اللہ کے نور سے نور کا ظہور

مقامِ نبوت کی عجمی تعبیر

فلسفہ توحید کی عجمی تشکیل

وحدۃ الوجود کے بنیادی نقائص

باطنی رفض اور وحدۃ الوجود

مقامِ نبوت اور ابن عربی

ابن عربی کے نظریات کا ضرر

بروزی نبوت

تکوینی نبوت کا عصر حاضر میں مفہوم

سحر نبوی

سیرۃ الحسنی

حکمت کی باتیں

بالغ مسلمان پر کلمہ کی فرضیت

مسلمانوں کا رسمی اسلام

سوشلسٹ علماء کا کردار

کیمیو نزم اور مذہب

اسلام کے پردے میں الحاد کی اشاعت

عقائد کی جن بنیادوں پر نجات کا مدار ہے عصر حاضر میں ان کی اس طرح تحریف کر دی گئی ہے کہ شعائرِ اسلامیہ تو ایک طرف رہے، کلمہ شہادۃ کی بنیاد بھی متزلزل ہو گئی انکی تلخیص یہ ہے:-

۱- توحید: اللہ کی صفات کے تکوینی رابطے کو مظاہر الہیہ کی اصطلاح میں تبدیل کر کے قدسی نفوس کو اُلُوہی اختیار کا مالک بنا دیا گیا ہے۔ موجودہ دور کی اصنام پرستی یہی ہے۔

۲- نبوت: فلسفہ اصالت کے تحت نبوت کے تشریحی مقام کو مصدر کائنات کی اصطلاح میں تبدیل کر کے کائنات کے ظہور و بقا کو حقیقتہ محمدی کا محتاج کر دیا گیا ہے۔

۳- ختم نبوت: آخری نبی ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ تا قیامت سارے انسانوں کو ہدایت کے لیے کسی دوسرے نبی کی ضرورت نہ رہے، لیکن ختم نبوت کے مفہوم کو اس طرح تبدیل کر دیا گیا ہے جس سے ہمیشہ کے لئے اجرائے نبوت کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔

۴- امامت: فرض کی بنیاد نظر یہ امامت پر قائم ہے لیکن امامت کے مفہوم کو تکوینی امامت کی اصطلاح میں تبدیل کر دیا گیا ہے تاکہ ساری کائنات پر ائمہ کا اقتدار ثابت ہو سکے۔

۵- ولایت: ولایت کا مفہوم خدا کی دوستی اور اس کی اطاعت میں محدود تھا لیکن اس دوستی کو تقرب کے حُلُول میں تبدیل کر کے اولیاء کرام کو تکوینی تُصَرَّف کا مالک بنا دیا گیا ہے۔

ہمارے مسلک کا بنیادی مشن یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کو ایسے عجمی نظریات سے بچا کر اسلام کے صحیح راستے سے روشناس کرایا جائے۔ جو نفوس اپنی عاقبت سنوارنا چاہتے ہیں امید ہے کہ وہ ہماری اس دعوت کو ضرور قبول فرمائیں گے۔



ادارہ اسلامیہ مخدوم رشید ملتان

0331-6444110